احمد ندیم قاسمی کا معاشرتی شعور "سفارش" کے تناظر میں

Ahmad Nadeem Qasmi's Social Consciousness in the Context of "*Sifarish*"

**** Shafiq ur Rehman, ** Saima Mumtaz***

***** Assistant Prof., Department of Urdu, Govt. Graduate College, Mailsi, Vehari, Punjab, Pakistan.

****** M. Phil Urdu /CTI Lecturer, Department of Urdu, Govt Graduate College Vehari, Vehari, Punjab, Pakistan.

KEYWORDS

Ahmad Nadeem Qasmi
Social Issues
Socio-cultural Realities
Symbolic Representation
Contemporary
Masterpiece

ABSTRACT

This research article presents a comprehensive analysis of Ahmed Nadeem Qasmi's celebrated short story, *Sifarish*. Ahmed Nadeem Qasmi, a towering figure in Urdu literature, was renowned for his contributions to short stories, poetry, and literary criticism. His works often delve into the complexities of human emotions and social issues, reflecting the socio-cultural realities of his time. Qasmi's mastery lies in his ability to weave profound themes into relatable narratives, making his stories timeless and universally relevant. The article examines *Sifarish* as a poignant commentary on nepotism and favoritism in society. Through vivid characters and a compelling narrative, Qasmi highlights the moral and ethical dilemmas individuals face when confronted with societal pressures. The story intricately explores how favoritism undermines meritocracy and impacts relationships at both personal and communal levels. This analytical study sheds light on Qasmi's narrative techniques, symbolic representation, and his nuanced critique of societal norms. The findings of this study underscore Qasmi's relevance in contemporary discourse, making *Sifarish* a literary masterpiece worthy of scholarly exploration.

تعارف موضوع

معاشرہ، انسان اور ادب ایک تکون کی حیثیت رکھتے ہیں جو کلی اور جزوی طور پر ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ ارسطو کے مطابق انسان ایک معاشرتی حیوان ہے جو معاشرے میں ہونے والے تغیرات کا مشاہداتی آنکھ سے جائزہ لیتا ہے اور ایک تخلیق کار اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اپنے عہد کے سماجی، ثقافتی، اقتصادی، مذہبی، اخلاقی، سیاسی، علمی اور ادبی مسائل کی نشاندہی کر کے ان کی اصلاح کا بیڑا اٹھاتا ہے۔ ادب چونکہ انسان کے جذبات، احساسات، مشاہدات اور تجربات کے اظہار کا مؤثر وسیلہ ہے اس لیے متعدد شعراء اور ادباء نے اپنی تخلیقات کے توسط سے معاشرتی پستی، ناہمواریاں، جبر و استحصال اور رزائل اخلاق کے خاتمے کے لیے درسِ انسانیت کو فروغ دیا ہے۔ مولانا الطاف حسین حالی کے درج ذیل شعر کے مصداق:

یہی ہے عبادت یہی دین و ایماں

کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں

ہمارا یہ اولین فریضہ ہے کہ ہم معاشرے میں رہتے ہوئے دوسروں کی مدد کا شیوا اپنائیں اور جہاں تک ممکن ہو سکے انسانیت کی خدمت کریں ۔متعدد تخلیق کاروں کی طرح احمد ندیم قاسمی کے ہاں بھی معاشرتی شعور پایا جاتا ہے۔ ان کے افسانہ "سفارش" کی روشنی میں ان کے معاشرتی شعور کا جائزہ لینے سے قبل ان کا مختصر سوانحی تعارف جان لینا ضروری ہے۔ دنیائے ادب میں احمد ندیم قاسمی بحیثیت شاعر افسانہ نگار، کالم نگار، مدیر اور نقاد ایک

*Corresponding Author: Shafiq ur Rehman
Email Address: Shafiqellahabadi@gmail.com

ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ آپ کا خاندانی نام احمد شاہ تھا۔ آپ 20 نومبر 1916ء کو ضلع خوشاب کے ایک گاؤں انگہ میں پیدا ہوئے۔ گورنمنٹ ہائی سکول شیخوپورہ سے میٹرک اور ایس۔ای کالج بہاولپور سے بی۔اے کیا۔ ریفارمرز کمیشنر لاہور اور محکمہ آب کاری میں کچھ عرصہ ملازمت کرنے کے بعد مستعفی ہو گئے۔ ماہنامہ پھول، تہذیبِ نسواں، ادبِ لطیف اور نقوش کی ادارت کے بعد اپنا ادبی جریدہ "فنون" شائع کیا۔ (جو تا حال ڈاکٹر ناہید قاسمی اور نیر حیات قاسمی کی زیر ادارت شائع ہو رہا ہے) احمد ندیم قاسمی ترقی پسند تحریک کے سرگرم رکن اور سیکرٹری بھی رہے۔ ادب میں اعلیٰ کارکردگی کی بنا پر حکومت پاکستان کی جانب سے پرائڈ آف پرفارمنس، ستارہ امتیاز اور کمال فن ایوارڈ حاصل کئے۔ آپ 10 جولائی 2006ء کو لاہور میں وفات پا گئے۔ زیر نظر افسانہ "سفارش" ان کے افسانوی مجموعہ "کپاس کا پھول" سے ماخوذ ہے۔ جس کا شمار احمد ندیم قاسمی کے شاہکار معاشرتی افسانوں میں ہوتا ہے۔ اس کے معاشرتی شعور کی اہمیت وافادیت کے پیش نظر اسے پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ لاہور نے انٹر میڈیٹ سال اول اردو کے نصاب میں شامل کیا ہے۔ اس میں انسانی فطرت کی کمزوریوں اور خامیوں کے ساتھ ساتھ جہالت اور سماجی برائیوں کی نشاندہی بڑی فنکارانہ چابکدستی سے کی گئی ہے۔ کہانی ،افسانے کے مرکزی کردار "بابو جی" (مصنف) کی زبانی بیان کی گئی ہے۔ مصنف جس جگہ رہائش پزیر تھا وہاں کے ایک کوچوان (فیکا) کے باپ کی ایک آنکھ دو نمبر سرمہ بیچنے والے کے سرمہ سے خراب ہو گئی جس کی وجہ سے وہ بہت پریشان تھا اور اس کے مناسب علاج کی سفارش کے لیے مصنف (بابو جی) کے پاس گیا تو مصنف نے اس کا دل رکھنے کی خاطر اس سے کہا کہ فلاں ہسپتال میں ایک ڈاکٹر عبدالجبار اس کا دوست ہے تم اس کے پاس جاؤ میں بھی سفارش کروں گا، لیکن مصنف سفارش نہ کر سکا، بعد ازاں فیکے نے دوبارہ گزارش کی تو مصنف نے اپنا کارڈ دے دیا اور رسمی طور پر سفارشی نوٹ تحریر کر دیا، اتفاق سے ہسپتال میں فیکے کے باپ کو برآمدے میں جگہ مل گئی لیکن باقاعدہ علاج شروع نہ ہو سکا تو فیکا پھر مصنف کے پاس گیا مصنف نے ڈاکٹر کو فون کرنے کا وعدہ کر کے اس کو ٹال دیا، المختصر فیکے کے باپ کا آپریشن ہو گیا لیکن ناکام رہا۔ فیکا مسلسل چکر لگاتا رہا اور مصنف اسے ٹالتا رہا اور تسلیاں دیتا رہا کہ تمھارا کام ہو جائے گا۔ چند دنوں کے بعد جب صبح کے وقت فیکا آیا اور نوکر نے اس کے آنے کی اطلاع دی تو مصنف نے نوکر کو ڈانٹا کہ اس نے یہ کیوں بتایا کہ مصنف گھر پر ہے۔ چناں چہ مجبوری کے عالم میں معذرت کے الفاظ سوچ کر جب فیکے کے سامنے گیا تو فیکے نے روتے ہوئے کہا کہ آپریشن کامیاب ہو گیا ہے۔ تو مصنف نے کہا

"کوئی بات نہیں فیکے، کوئی بات نہیں" (قاسمی، "کپاس کا پھول")

"بابو جی" ایک معاشرتی کردار ہے جس کے قول و فعل میں تضاد ہے۔ اس کے اندر انسانی ہمدردی کا جذبہ تو موجود ہے، مگر وہ بے پناہ مصروفیت، منافقت، ریاکاری اور اخلاقی بحران کا شکار ہے۔ وہ ایسا کردار ہے جسے اپنے جھوٹے ہونے پر ندامت نہیں ہوتی اور اگر ہوتی ہے تو اس کا اظہار نہیں کر پاتا، اس تناظر میں خالد عرفان رقم طراز ہیں:

"ہمارے معاشرے کے کتنے حقیقی مرقع ہیں ندیم کے افسانے! اسی طرح کا مرقع ایک معمولی سی کہانی "سفارش" ہے۔ بات صرف اتنی ہے فیکے کوچوان کے بوڑھے باپ کی آنکھوں کا علاج کرواتا ہے۔ ایک بابو جی جو کہ تعلیم یافتہ ہیں بڑے رکھ رکھاؤ سے رہتے ہیں فیکا ان سے ملتا ہے اور بابو جی سفارش کا وعدہ کر لیتے ہیں۔ جوہر بار وفا نہیں ہوتا، لیکن اس کے باوجود فیکے کا کام بن جاتا ہے۔ باپو کی بینائی واپس مل جاتی ہے تو وہ شکریہ ادا کرنے آتا ہے

تب بھی بابو جی کے اندر کا انسان جاگتا ہے، پر اس کے اندر کا انسان کے فیکا بھولا ہے، حساس ہے، فلاسفر بھی ہے، بابو جی کو اپنے جھوٹے بھرم کو قائم رکھنے کا موقع دے جاتا ہے۔۔۔ ہم میں آپ میں ایسے کتنے ہیں جو اس عظیم لمحہ کو پا کر بہت لمبی بہت گہری سانس لے کر فیکے جیسے عظیم انسان پر ہی احسان کرتے ہیں کہ "کوئی بات نہیں فیکے کوئی بات نہیں" اور پھر شاید کندھے جھٹک کر اپنے روز مرہ کے کاموں میں اس طرح لگ جاتے ہیں کہ گویا کچھ ہوا ہی نہیں اور پھر اسی طرح فیکے کو، فیکے کے باپ کو، اور سب سے بڑھ کر اپنے آپ کو دھوکا دینے لگتے ہیں جھوٹ کہنے لگتے ہیں۔ ندیم نے ہمارے معاشرے کے "مہذب" انسان پر بڑا گہرا طنز کیا ہے۔" (عرفان، "احمد ندیم قاسمی، ایک تاثر"، ص566)

زیرِ نظر افسانہ میں افسانہ کے تمام فنی محاسن بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں۔ اس بیانہ افسانے میں مرکزی کردار صرف دو ہیں ایک مصنف کا اور دوسرا فیکے کو چوان کا، دونوں اپنے جملوں اور خیالات سے ایک دوسرے کو چونکاتے رہتے ہیں اس کہانی میں احمد ندیم قاسمی نے معاشرتی مسائل بالخصوص جہالت، ضعیف الاعتقادی، افلاس، خود غرضی، منافقت، سفارش، نیم حکیم، معاشرتی بگاڑ، اور غیر مستند لوگوں کے طبی ٹوٹکوں کو موضوع بنایا ہے، فیکا اور اس کا باپ ان پڑھ ہیں۔ ان کرداروں کے پردے میں مصنف نے یہ بتایا ہے کہ ان پڑھ اور تعلیم یافتہ برابر نہیں ہو سکتے۔ ان پڑھ افراد اپنا سیدھا نام تک نہیں پکار سکتے وہ ڈاکٹر سے بات کرتے ہوئے گھبراتے ہیں اور ایسے افراد کا عقیدہ کمزور ہو جاتا ہے۔ وہ نیم ملاؤں اور نیم حکیموں کے چکر میں آسانی سے آجاتے ہیں، فیکے کا باپ ایک مجمع باز حکیم سے گھٹیا سرمہ خرید کر آنکھوں میں لگا لیتا ہے جب درد ہوتا ہے تو ڈاکٹر کے پاس جانے کی بجائے جاہل لوگوں کے کہنے پر پوست کے ڈوڈے ابال کر ان سے آنکھیں دھوتا ہے اور کبھی پالک کا ساگ باندھتا ہے۔ جس کی وجہ سے اس کی ایک آنکھ ضائع ہو جاتی ہے۔ زیر نظر افسانہ میں سرکاری ہسپتالوں کی حالت زار کا نقشہ بھی کھینچا گیا ہے۔ بالعموم سرکاری ہسپتال میں ڈاکٹر ڈیوٹی پر موجود نہیں ہوتے اور اگر ڈاکٹر موجود ہوں تو ادویات نہیں ملتیں، غریب آدمی کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا جبکہ امراء کو ہر قسم کی طبی سہولیات میسر ہوتی ہیں، فیکا مصنف کو ہسپتال کے بارے میں بتاتا ہے کہ:

"ہمارے گھر میں تو پٹس پڑ گئی بابو جی، اسے ایک ہسپتال میں لے گئے، پھر دوسرے میں لے گئے، دونوں میں جگہ نہ تھی، دوپہر کو راج گڑھ کے ایک کوچوان نے بتایا کہ اس کا سالا میو ہسپتال میں چوکی دار ہے، اسکی سفارش سے جگہ تو مل گئی پر برانڈے میں، وہ بھی کوئی ایسی بات نہیں، پر بابو جی شام ہونے کو آئی ہے اور ابھی تک کوئی ڈاکٹر تو کیا کوئی نرس بھی ادھر نہیں آئی، آپ صاحب لوگ ہیں یہ دیکھئے ہاتھ باندھتا ہوں، میرے ساتھ چل کر کسی ڈاکٹر سے یہ کہہ دیجیے کہ صدیقے مریض کو ذرا سا دیکھ لے۔" (قاسمی، "کپاس کا پھول")

مذکورہ اقتباس میں جہاں ہسپتال اور ڈاکٹروں کے مسائل دکھائے گئے ہیں، وہاں پر فیکے کی منت سماجت، اسکی جہالت اور خوشامد بھی سامنے آتی ہے کہ وہ اپنے والد صاحب کو صدیق صاحب کہنے کی بجائے "صدیقے" کہتا ہے شاید اس لیے لوگ اسکو رفیق کی بجائے "فیکا" کہتے تھے مصنف نے یہ فلسفہ دیا ہے کہ ان پڑھ باپ اگر اپنے بیٹے کو تعلیم سے محروم رکھے گا تو وہ بھی اسکی طرح جہالت کی سزا کاٹے گا (اسی نظریے کو مجید امجد نے ایک نظم "پنواڑی" میں بھی بیان کیا ہے) کبھی کبھار یہ ان پڑھ کردار چونکاتے بھی ہیں جیسے اس افسانے میں فیکا کہتا ہے:

الصالحات: مجلہ برائے خواتین، معاشرہ، اور مذہب (سماجی علوم) جلد ۳، شمارہ ۳، اکتوبر تا دسمبر، ۲۰۲۴ آئی ایس ایس این: ۲۱۲۷-۲۹۵۹؛ ای-آئی ایس ایس این: ۲۱۳۵-۲۹۵۹

"بابو جی کیا پتا آنکھ کے کسی کونے کھدرے میں بینائی کا بھورا پڑا رہ گیا ہو، دیکھئے چولھا بجھ جاتا ہے تو جب بھی دیر تک راکھ میں ہاتھ نہیں ڈالتے، کیا پتا کوئی چنگاری سلگ رہی ہو۔" (قاسمی، "کپاس کا پھول")

ایک اور مقام پر فیکا یہ کہہ کر مصنف اور قاری دونوں کو چونکا دیتا ہے:

"جبار صاحب بیٹھے تو ہیں پر کوئی اندر نہیں جانے دیتا، کہتے ہیں باری سے آؤ اور میری باری آتی ہی نہیں، گھٹنا پاجامے میں سے جھانک رہا ہو تو باری کیسے آئے بابو جی!" (قاسمی، "کپاس کا پھول")

مذکورہ بالا اقتباس کا آخری جملہ پورے افسانے کا حاصل معلوم ہوتا ہے۔ غریب انسان ساری زندگی مشقت کی زندگی گزارتا ہے لیکن معاشرے میں اس کی کوئی قدر نہیں ہوتی۔ حتیٰ کہ وہ بنیادی سہولیات سے بھی محروم رہتا ہے۔ اور دوسرے اس کی معصومیت، سادگی اور بھولے پن کا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ زیرِ مطالعہ افسانہ میں معاشرے کے دوہرے اور مکروہ چہرے سے پردے چاک کیے ہیں اور غربت کی بہترین عکاسی کی ہے۔

بقول مصنف:

"فیکے نے مجھے ایک بار پھر چونکا دیا، نہ جانے پہلوان فیکے کے اندر یہ حساس فیکا اتنے برسوں سے کہاں چھپا بیٹھا تھا۔" (قاسمی، "کپاس کا پھول")

بعض مقامات پر مصنف کو یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ بے چارے فیکے کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کر رہا اسے ڈاکٹر کے پاس جا کر سفارش کرنی چاہیے یا فیکے سے معذرت کرنی چاہیے کہ وہ بھول گیا تھا یا مصروفیت کی وجہ سے ڈاکٹر کو فون تک نہیں کر سکا، اسکی خود کلامی (جسے ضمیر کی آواز بھی کہا جا سکتا ہے)، ملاحظہ فرمائیے!

"پھر اچانک خیال آیا کہ کتنا چھوٹا آدمی ہوں، دو پیسے یا دو روپے یا چلو دو لاکھ کی بھی بات نہیں، دو آنکھوں کی بات ہے اور میں جھوٹ بولے جا رہا ہوں، مجھے فیکے کے سامنے اعتراف کر لینا چاہیے کہ میں تمھارے لیے کچھ نہیں کر سکا۔" (قاسمی، "کپاس کا پھول")

مگر جب مصنف افسانے کے اختتام پر فیکے کے سامنے جاتا ہے تو اپنے ضمیر کو فراموش کر دیتا ہے جھوٹی انا غالب آجاتی ہے، فیکا کہتا ہے:

"بابو جی! کچھ سمجھ میں نہیں آتا، میں شکریہ ادا کروں تو کیسے کروں؟ میرا بابا ٹھیک ہو گیا ہے، اسکی دونوں آنکھیں ٹھیک ہو گئی ہیں، اسے بینائی اللہ نے دی ہے اور آپ نے دی ہے، آپ نے مجھے خرید لیا ہے بابو جی، قسم خدا کی! میں عمر بھر آپ کا نوکر رہوں گا۔" (قاسمی، "کپاس کا پھول")

مصنف خلاف توقع یہ خوشگوار حیرت والا بیان سن کر بھی یہ اعتراف کرنے کی بجائے کہ فیکے یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ تمھارے باپ کی بینائی روشن ہو گئی ہے میرا کوئی کمال نہیں میں تم سے شرمندہ ہوں کہ میں ڈاکٹر سے تمھاری سفارش تک نہ کر سکا، ایک گہری اور لمبی سانس لے کر یہ کہہ کر (کوئی بات نہیں فیکے، کوئی بات نہیں) اپنے آپ کو اور فیکے کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ افسانے کا اختتام اپنے اندر ڈرامائی عنصر لیے ہوئے ہے،

الصالحات: مجلہ برائے خواتین، معاشرہ، اور مذہب (سماجی علوم) جلد ۳، شمارہ ۳، اکتوبر تا دسمبر، ۲۰۲۴ آئی ایس ایس این: ۲۱۲۷-۲۹۵۹؛ ای-آئی ایس ایس این: ۲۱۳۵-۲۹۵۹

اس افسانے میں احمد ندیم قاسمی نے جدید دور کے انسان کی خود غرضی کو بے نقاب کیا ہے کہ آج کا انسان مشین بن کر رہ گیا ہے۔ اسے صرف اپنے کام سے مطلب ہے اگر کسی کا کام اتفاق سے یا قدرتی طور پر ہو بھی جائے تو وہ اس کا صلہ بھی خود لینا چاہتا ہے۔ زیر نظر افسانے میں مصنف نے دو مختلف طبقوں کے طرزِ زندگی اور رویوں کی خوبصورت عکاسی کی ہے۔ افسانے کا مرکزی کردار (بابو جی) اونچے طبقے کا فرد ہے اور فیکا نچلے طبقے کا نمائندہ فرد ہے ، بابو جی یا صاحب جی اونچے طبقے کا فرد ہونے کے ناطے اس کے نہایت اہم اور ضروری کام کو بھی غیر اہم تصور کرتا ہے، لیکن انکار بھی نہیں کرتا۔ اپنے عام اور معمولی کاموں کے لیے اس کے پاس وقت کی کمی نہیں ہے لیکن عام آدمی کے خاص کام کے لیے بھی اس کے پاس وقت نہیں ہے۔

بقول راؤ مشتاق ظفر:

؎ بڑے نزدیک سے دیکھا ہے بڑے لوگوں کو

خاص ہوتے ہیں مگر عام نکل آتے ہیں

احمد ندیم قاسمی کو افسانہ نگاری کے فن پر ملکہ حاصل ہے ان کے اسلوب اور افسانہ نگاری کے فن کے حوالے سے ڈاکٹر انوار احمد رقم طراز ہیں:

"احمد ندیم قاسمی کو اپنے تصوراتِ حیات اور تصوراتِ فن کے اخلاص کے ساتھ ساتھ افسانوں کا موضوع بننے والی معاشرت کے لوک گیت اور بول چال کی معصومیت اور گھلاوٹ کو زبان اور اسلوب میں خاص طرح کی کشش پیدا کرنے والے تخلیق کار کا درجہ حاصل ہے۔" (احمد، "اردو افسانہ ایک صدی کا قصہ")

زیر نظر افسانے سے معاشرے کا یہ پہلو بھی نمایاں ہو جاتا ہے کہ امراء اور سیاستدان اکثر غرباء کو جھوٹے وعدوں پر ٹالتے رہتے ہیں اور سادہ لوح لوگ ان وعدوں کو سچا سمجھ کو ان کے ممنون و احسان مند ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے معاشرے میں مثبت تبدیلی یا انقلاب نہیں آپاتا ایسی صورت میں سچائی کا علم بلند ہوتے ہوتے رہ جاتا ہے اور گمراہی، تاریکی، جہالت، خود غرضی، منافقت، ناانصافی اور دہشت گردی پھر سے قدم جما لیتی ہے۔

حوالہ جات

1. احمد ندیم قاسمی۔ (2008ء)۔ کپاس کا پھول۔ لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز

Qasmi, A. N. (2008). *Kapās kā phūl* [The cotton flower]. Lahore: Sang-e-Meel Publications,

2. خالد عرفان۔ (1975ء)۔ احمد ندیم قاسمی: ایک تاثر۔ افکار (ندیم نمبر)۔ کراچی: مکتبہ افکار

Irfan, K. (1975). Ahmad Nadeem Qasmi: A reflection. *Afkar (Nadeem Number)*. Karachi: Maktaba Afkar.

3. احمد ندیم قاسمی۔ (2008ء)۔ کپاس کا پھول۔ لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز.

Qasmi, A. N. (2008). *Kapās kā phūl* [The cotton flower]. Lahore: Sang-e-Meel Publications,

4. انوار احمد۔ (2017ء)۔ اردو افسانہ: ایک صدی کا قصہ۔ ملتان: کتاب نگر

Ahmad, A. (2017). *Urdu afsānah: Ek sadi kā qissah* [Urdu short story: A tale of a century]. Multan: Kitab Nagar, p. 185.